میں تھوڑے دنوں میں کچھ کما دھما کر لوٹوں گا، مگر تب وہ گھر جاتی ہی کیوں؟ کہتی کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔ اسے وہاں کہاں کہاں باندھے پھرتا؟"

دن چڑھنے لگا۔ رات کو کچھ نہ کھایا تھا۔ بھوک لگی پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ کہیں بیٹھ کر دم لینے کی خواہش ہوئی۔ بالا کچھ کھائے اب نہیں چل سکتا۔ مگر پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ سڑک کے کنارے جھڑبیریوں کی جھاڑیاں تھیں۔ اس نے تھوڑے سے بیر توڑ لئے اور پیٹ کو بہلاتا ہوا چلا۔ ایک گاؤں میں گڑ پکنے کی مہک آئی۔ اب جی نہ مانا۔ وہیں جا کر لوٹا ڈور مانگا اور پانی بھر کر چلّو سے پینے بیٹھا تو ایک کسان نے کہا: "ارے بھائی کیا یوں ہی پانی پیو گے۔ تھوڑا سا گڑ کھا لو۔ اب کے اور چلا لیں کولہو اور بنا لیں کھانڈ، اگلے سال تک مل تیار ہو جائے گی تو ساری اوکھ کھڑی بک جائے گی، گڑ اور کھانڈ کے بھاؤ چینی ملے گی تو ہمارا گڑ کون لے گا۔ اس نے ایک کٹورے میں گڑ کی کئی پنڈیاں لا کر دیں۔ گوبر نے گڑ کھا کر پانی پیا۔ تمباکو تو پیتے ہو گے؟ گوبر نے بہانہ کیا۔ ابھی چلم نہیں پیتا۔ بڈھے نے خوش ہو کر کہا "بڑا اچھا کرتے ہو بھیا! برا روگ ہے۔ ایک بار پکڑ لے تو پھر جیتے جی نہیں چھوڑتا۔"

انجن کو کوئلہ پانی مل گیا۔ رفتار تیز ہوئی۔ جاڑے کے دن۔ نہ جانے کب دوپہر ہو گئی، ایک جگہ دیکھا کہ ایک نوجوان عورت ایک پیڑ کے نیچے شوہر سے ستیاگرہ کئے بیٹھی تھی، شوہر سامنے کھڑا اسے منا رہا تھا۔ دو چار راہ گیر تماشا دیکھنے کھڑے ہو گئے تھے۔ گوبر بھی کھڑا ہو گیا۔ منان سے زیادہ دلچسپ زندگی کا اور کون ناٹک ہوگا۔

عورت نے شوہر کی طرف گھور کر کہا "میں نہ جاؤں گی، نہ جاؤں گی، نہ جاؤں گی؟"

مرد نے گویا الٹی میٹم دے دیا "نہ جائے گی؟"

"نہ جاؤں گی۔"

"نہ جائے گی۔"

"نہ جاؤں گی۔"

مرد نے اس کے بال پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ عورت زمین پر لوٹ گئی۔

مرد نے ہار کر کہا "میں پھر کہتا ہوں کہ اٹھ کر چل۔"

عورت نے اسی استقلال سے کہا "میں تیرے گھر سات جنم نہ جاؤں گی چاہے بوٹی بوٹی کاٹ ڈال۔"

"میں تیرا گلا کاٹ لوں گا۔"

"تو پھانسی پاؤ گے۔"

مرد نے اس کے بال چھوڑ دیئے اور سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مردانگی انتہائی حد تک پہنچ گئی تھی، کہ اس کے آگے اب نہ جا سکتی تھی۔

ایک لمحے میں وہ پھر کھڑا ہوا۔ اور ہاری ہوئی سی آواز میں بولا "تو چاہتی کیا ہے؟"

عورت بھی اٹھ بیٹھی اور نہ ڈگمگنے والی آواز میں بولی "میں یہی چاہتی ہوں کہ تو مجھے چھوڑ دے۔"

"کچھ منہ سے کہے گی بھی کہ کیا بات ہوئی؟"

"میرے بھائی باپ کو کوئی کیوں گالی دے۔"

"کس نے گالی دی۔ تیرے بھائی باپ کو؟"

"جا کر اپنے گھر میں پونچھ۔"

"چلے گی تب ہی تو پوچھوں گا۔"

تو کیا پوچھے گا؟ کچھ دم بھی ہے، جا کر اماں کے آنچل میں منہ چھپا کر سو رہ!

ہ تیری ماں ہوگی، میری کوئی نہیں ہے۔ تو اس کی گالیاں سُن، میں کیوں سنوں؟ ایک روٹی کھاتی ہوں تو چار روٹی کا کام کرتی ہوں، کیوں کسی کی دھونس سہوں؟ میں تیرا ایک پوت کا چھلا بھی نہیں جانتی۔"

راہ گیروں کو اس جھگڑے میں ناٹک کا مزا آرہا تھا۔ مگر اس کے جلد ختم ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ منزل کھوٹی ہو رہی تھی۔ ایک ایک کر کے لوگ کھسکنے لگے۔ گوبر کو مرد کی بیرحمی بُری لگ رہی تھی۔ بھیڑ کے سامنے تو کچھ نہ کہہ سکتا تھا، مگر میدان خالی ہوا تو بولا۔ "بھائی، مرد عورت کے بیچ میں بولنا تو نہ چاہیئے، پر اتنی بیدردی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

مرد نے کڑی سی آنکھیں نکال کر کہا۔ "تم کون ہو؟"

"گوبر نے بلا خوف کہا۔ میں کوئی ہوں۔ پر بے جا بات دیکھ کر سب ہی کو بُرا لگتا ہے۔"

مرد نے سر ہلا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مہریا نہیں آئی تب ہی اتنا درد ہے۔"

"مہریا آئے گی تو بھی اس کا جھونٹا پکڑ کر نہ کھینچوں گا!"

"اچھا تم اپنی راہ لو۔ میری عورت ہے، میں اسے ماروں گا، کاٹوں گا۔ تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے؟ چلے جاؤ سیدھے سے، یہاں کھڑے مت رہو۔ گوبر کا گرم خون اور گرم ہو گیا وہ کیوں چلا جائے۔ سڑک سرکار کی ہے کسی کے باپ کی نہیں ہے۔ وہ جب تک چاہے کھڑا رہ سکتا ہے۔ وہاں سے اسے ہٹانے کی مجال کسی کی ہے۔"

مرد نے ہونٹ چبا کر کہا۔ "تو تم نہ جاؤ گے، آؤں؟"

گوبر نے انگوچھا کمر میں باندھ لیا اور لڑنے کے لئے تیار ہو کر بولا۔ "تم آؤ یا نہ آؤ۔ پر میں تو تب ہی جاؤں گا جب میری اچھا (مرضی) ہوگی۔"

"یہ کون جانتا ہے کہ کس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔"

"تو تم نہ جاؤ گے؟"

"نہ۔"

مرد مٹھی باندھ کر گوبر کی طرف جھپٹا۔ اسی وقت عورت نے اس کی دھوتی پکڑ لی۔ اور اسے اپنی طرف کھینچتی ہوئی گوبر سے بولی "تم کیوں لڑائی لینے اتارو ہو رہے ہو۔ جی، اپنی راہ کیوں نہیں جاتے؟ یہاں کوئی تماشا ہے۔ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے۔ کبھی وہ مجھے مارتا ہے تو کبھی میں اسے ڈانٹتی ہوں۔ تم سے مطلب؟"

گوبر یہ پھٹکار پا کر وہاں سے چل دیا۔ دل میں کہا "یہ عورت مار کھانے ہی لائق ہے۔"

گوبر آگے نکل گیا تو عورت نے اپنے شوہر کو ڈانٹ بتائی "تم سب سے لڑنے کیوں لگتے ہو۔ اس نے کون سی بُری بات کہی تھی کہ تمہاری چوٹ لگ گئی؟ برا کام کرو گے تو دنیا بُرا کہے گی، پر ہے وہ کسی بھلے گھر کا اور اپنی برادری ہی کا جان پڑتا ہے۔ کیوں اسے اپنی بہن کے لئے نہیں ٹھیک کر لیتے۔"

شوہر نے شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا "کیا اب تک کنوارا بیٹھا ہوگا۔"

"تو پوچھ ہی کیوں نہ لو۔"

مرد نے دس قدم دوڑ کر گوبر کو آواز دی اور ہاتھ سے ٹھیر جانے کا اشارہ کیا۔ گوبر نے سمجھا کہ شاید پھر اس کے سر پر بھوت سوار ہوا ہے جب ہی تو للکار رہا ہے بنا مار کھائے نہ مانے گا۔ اپنے گاؤں میں کتا بھی باگھ بن جاتا ہے۔ اچھا آنے دو۔"

مگر اس کے منھ پر لڑائی کی للکار نہ تھی۔ دوستی کا بلاوا تھا۔ اس نے گاؤں نام اور ذات پوچھی، گوبر نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ اس مرد کا نام کودئی تھا۔

کودئی نے مسکرا کر کہا: "ہم دونوں میں دنگا ہوتے ہوتے بچا۔ تم چلے آئے تو میں نے سوچا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں ناحق (ناحق) تم سے تن بیٹھا۔ کچھ کھیتی باڑی تو گھر میں ہوتی ہے نا؟"

گوبر نے بتایا کہ اس کے موروثی پانچ بیگھہ کھیت ہیں اور ایک ہل کی کھیتی ہوتی ہے۔

میں نے تمھیں جو برا بھلا کہا ہے اس کی ماپھی (معافی) دو بھائی! اس میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ عورت گن میں تجھی ہے پر کبھی اس پر نہ جانے کون سا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ اب تمھیں بتاؤ اماں پر میرا کیا بس ہے؟ پیدا تو انہیں نے کیا ہے اور پالا پوسا ان ہی نے ہے۔ جب کوئی بات ہوگی تو میں تو جو کچھ کہوں گا وہ عورت ہی سے کہوں گا۔ اس پر اپنا بس ہے۔ تمھیں سوچو کہ میں بجا تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ ہاں مجھے اس کا جھونٹا پکڑ کر گھسیٹنا نہ تھا۔ مگر عورت جات (ذات) کچھ تاڑنا (سزا) دے بنا بھی تو بس میں نہیں رہتی۔ چاہتی ہے کہ اماں سے الگ ہو جائیں۔ تمھیں سوچو کہ کیسے الگ ہو جائیں اور کس سے الگ ہو جاؤں؟ اپنی اماں سے؟ جس نے جنم دیا؟ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ چاہے عورت رہے یا جائے۔"

گوبر کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑی بولا: "مانا کا تو آدر کرنا سب ہی کا دھرم ہے بھائی! مانا سے کون اُرن ہو سکتا ہے۔

کودئی نے اسے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ آج وہ کسی طرح لکھنؤ نہیں پہنچ سکتا۔ کوس دو کوس جاتے جاتے سانجھ ہو ہی جائے گی۔ رات کو کہیں نہ کہیں ٹکنا ہی پڑے گا۔

گوبر نے مذاق کیا: "لگائی مان گئی؟"

"نہ مانے گی تو کیا کرے گی؟"

"مجھے تو اُس نے ایسی پھٹکار بتائی کہ میں لجا گیا۔"

"وہ اب پچھتا رہی ہے۔ چلو تنک ماتاجی کو سمجھا دینا۔ مجھ سے تو کچھ کہتے نہیں بنتا انھیں بھی سوچنا چاہیئے کہ بہو کو باپ بھائی کی گالی کیوں دیتی ہیں۔ ہماری بھی بہن ہے چار دن میں اس کی سگائی ہو جائے گی۔ اس کی ساس ہمیں گالیاں دے گی تو اس سے سنا جائے گا؟ سب دوکھ لگائی ہی کا نہیں، ماتا کا بھی دوکھ ہے۔ جب ہر بات میں وہ اپنی بیٹی کا پچھ (جانبداری) کریں گی تو ہمیں برا لگے ہی گا۔ اس میں اتنی بات اچھی ہے کہ گھر سے روٹھ کر چلی جائے۔ پر گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتی۔"

گوبر کو رات کے سئے گوبر ٹھکانا چاہیئے تھا۔ کودئی کے ساتھ ہولیا۔ دونو پھر اسی جگہ آئے جہاں عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اب گھر گرستین بن گئی تھی۔ ذرا سا گھونگٹ نکال لیا تھا اور کچھ لجا سی رہی تھی۔ کودئی نے مسکرا کر کہا: "یہ تو آتے ہی نہ تھے۔ کہتے تھے کہ ایسی ڈانٹ سننے کے بعد ان کے گھر کیسے جائیں۔"

عورت نے گھونگٹ کی آڑ سے گوبر کو دیکھ کر کہا: "اتنی ہی ڈانٹ میں ڈر گئے؟ لگائی آجائے گی تب کہاں بھاگو گے؟"

گانوں قریب ہی تھا۔ گانوں کیا تھا، پروا تھا دس بارہ گھروں کا جو آدھے کھپریل کے تھے اور آدھے پھوس کے۔ کودئی نے اپنے گھر پہنچ کر کھاٹ نکالی اور اس پر ایک دری بچھا دی۔ شربت بنانے کو کہہ کر چلم بھر لایا۔ اور لمحہ بھر بعد وہی عورت لوٹے میں شربت لے کر آئی اور گوبر کو پانی کا ایک چھینٹا مار کر گویا معافی مانگ لی۔ وہ اب اس کا نندوئی ہو رہا تھا، پھر کیوں نہ ابھی سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے؟

گوبر منھ اندھیرے ہی اٹھا اور کودئی سے رخصت ہوا۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا بیاہ ہو چکا ہے۔ پس اس سے بیاہ کا کوئی چرچا ہی نہ کیا گیا۔ اس کی بھلمناہت نے سارے گھر کو گرویدہ کر لیا تھا۔ کودئی کی ماں کو تو اس نے ایسے میٹھے لفظوں میں اور اس کے ماں والے درجے کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی عمدہ نصیحت دی کہ اس نے خوش ہو کر دعا دی تھی۔

"تم بڑی ہوما تاجی! پوجنے جوگ (لائق) ہو۔ پتر ماتا کے رن (قرض) سے سو جنم لے کر بھی اُرن (سبکدوش) نہیں ہو سکتا، لاکھ جنم لے کر بھی اُرن نہیں ہو سکتا کروڑ جنم لے کر بھی نہیں..........."

بوڑھی اس بے حساب بھگتی پر مگن ہو گئی۔ اس کے بعد گوبر نے جو کچھ کہا اس میں بڑھیا کو اپنی بھلائی دکھائی دی۔

طبیب ایک مرتبہ مریض کو شفا دے دے، پھر مریض اس کے ہاتھ سے زہر کو بھی خوشی سے پی لے گا"

اب جیسے آج ہی بہو گھر سے روٹھ کر چلی گئی تھی تو کس کی ہتک ہوئی؟ بہو کو کون جانتا ہے کس کی لڑکی ہے۔ کس کی ناتن ہے، کون جانتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس کا باپ گھسیارا ہی رہا ہو........"

بڑھیا نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ گھسیارا تو ہے ہی بیٹا، پکا گھسیارا۔ بیٹے اس کا منھ دیکھ لو تو دن بھر پانی نہ ملے۔"

گوبر بولا۔ "تو ایسے آدمی کی ہنسی ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ہنسی ہوئی تمھاری اور

تمھارے آدمی کی جس سنے پوچھا یہی پوچھا کہ کس کی بہو ہے۔ پھر وہ ابھی لڑکی ہے، نا سمجھ الھڑ! نیچ ماں باپ کی لڑکی ہے! اچھی کہاں سے بن جائے؟ تم کو تو جیسے بدرٗ طوطے کو رام نام پڑھانا پڑے گا۔ مارنے سے تو وہ پڑھے گا نہیں مالی تو پریم ہی پڑھایا جا سکتا ہے۔ تاڑنا (طعنہ) بھی دو پر اس کے منھ مت لگو۔ اس کا تو کچھ بگڑتا نہیں تمھاری ہی ہتک ہوتی ہے۔"

جب گوبر چلنے لگا تو بڑھیا نے کھانڈ اور ستو ملا کر اسے کھانے کو دیا۔ گاؤں کے اور کئی آدمی مزدوری کی تلاش میں شہر جا رہے تھے۔ بات چیت میں راستہ کٹ گیا اور نو بجتے بجتے سب کے سب امین آباد کے بازار میں جا پہنچے۔ گوبر حیران تھا کہ اتنے آدمی شہر میں کہاں سے آ گئے؟ آدمی پر آدمی گرا پڑتا تھا۔ اس دن بازار میں چار پانچ سو مزدوروں سے کم نہ تھے۔ معمار، بڑھئی، لوہار، بیلدار، کھاٹ بننے والے، ٹوکری ڈھونے والے اور سنگ تراش سب ہی کا مجمع تھا۔ گوبر یہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر نراس ہو گیا۔ اتنے سارے مجوروں کو کہاں کام مل جاتا ہے؟ اور اس کے ہاتھ میں تو کوئی اوزار بھی نہیں ہے، کوئی کیا جانے گا کہ وہ کون سا کام کر سکتا ہے؟ کوئی اسے کیوں رکھنے لگا بلا اوزار کے اسے کون پوچھے گا۔"

رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے مزدوروں کو کام ملتا جاتا ہے۔ کچھ لوگ مایوس ہو کر گھر لوٹے جا رہے تھے۔ زیادہ تر وہ بوڑھے اور نکمے بچ رہے تھے جن کا کوئی پرسان نہ تھا۔ ان ہی میں گوبر بھی تھا، مگر ابھی آخر اس کے پاس کھانے کو ہے کوئی غم نہیں۔ یکا یک مرزا خورشید نے مزدوروں کے بیچ میں آکر اونچی آواز سے کہا: "جس کو چھ آنے پر آج کام کرنا ہو وہ میرے ساتھ آئے۔ سب کو چھ آنے ملیں گے پانچ بجے چھٹی ملے گی۔"

دس پانچ معماروں اور بڑھیوں کے علاوہ سب کے سب ان کے ساتھ

کو تیار ہو گئے۔ چار سوختہ حالوں کی ایک بڑی فوج بن گئی۔ آگے مرزا تھے۔ کندھے ٹاسا سونٹا رکھے ہوئے اور پیچھے بھوکوں مرنے والوں کی لمبی قطار تھی جیسے ٹیں ہوں۔"

ایک بوڑھے نے مرزا سے پوچھا "کون کام کرنا ہی۔ مالک؟"

مرزا صاحب نے جو کام بتایا اس پر سب اور بھی تعجب میں آ گئے صرف کبڈی کھیلنا! یہ کیا آدمی ہی جو کبڈی کھیلنے کے لئے چھ آنے دے رہا ہی سنکی تو نہیں ہی کوئی؟ بہت دھن پاکر آدمی سنکی ہو جاتا ہی۔ بہت پڑھ لینے سے آدمی سنکی ہو جاتا ہی۔ کچھ کو یہ شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ مخول تو نہیں ہی۔ یہاں سے لے جاکر کہہ دے کہ کوئی کام نہیں ہی تو اس کا کوئی کیا کرے گا؟ وہ چاہی کبڈی سے چاہی آنکھ مچولی اور چاہی گلی ڈنڈا، مگر مزدوری پہلے دے دے۔ ایسے جھکی آدمی کا کیا بھروسہ؟

گوبر نے ڈرتے ڈرتے کہا "مالک! ہمارے پاس کچھ کھانے کو نہیں ہی، پیسے مل جائیں تو کچھ لے کر کھا لوں۔"

مرزا نے فوراً چھ آنے پیسے اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے اور للکار کر بولے "مزدوری سب کو چلتے چلتے پیشگی دیدی جائے گی اس کی فکر مت کرو۔"

مرزا صاحب نے شہر کے باہر تھوڑی سی زمین لے رکھی تھی۔ مزدوروں نے جاکر دیکھا تو ایک بڑا احاطہ گھرا ہوا تھا اور اس کے اندر صرف ایک چھوٹی سی پھوس کی جھونپڑی تھی جس میں تین چار کرسیاں تھیں اور ایک میز جس پر کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ جھونپڑی بیلوں سے ڈھکی ہوئی بہت عمدہ معلوم ہوتی تھی۔ احاطہ میں ایک طرف آم، لیموں اور امرود کے پودے لگے ہوئے تھے اور دوسری طرف کچھ پھول، زمین کا زیادہ حصہ پرتی پڑا ہوا تھا۔ مرزا نے سب کو ایک قطار میں

کھڑا کر کے پہلے ہی اجرت تقسیم کر دی۔ اب کسی کو ان کے پاگل ہونے میں شبہ رہا۔ گو بر پیسے پہلے ہی پا چکا تھا، مرزا نے اسے بلا کر پودے پہنچنے کا کام سونپا اسے کبڈی کھیلنے کو نہ ملے گی۔ دل مسوس کر رہ گیا۔ ان بوڑھوں کو اٹھا کر پٹکنا۔ مگر کچھ پروا نہیں، بہت کبڈی کھیل چکا ہوں پیسے تو پورے مل گئے۔

آج مدت کے بعد ان بوڑھوں کو کبڈی کھیلنا نصیب ہوا۔ بیشتر تو ایسے تھے جنھیں یاد بھی نہ آتا تھا کہ کبھی کھیلی ہی یا نہیں۔ دن بھر شہر میں پستے تھے، پھر رات گئے گھر پہنچتے تھے اور جو کچھ روکھا سوکھا مل جاتا تھا اسے کھا کر پڑ رہتے تھے۔ علی الصباح پھر وہی چرخہ شروع ہو جاتا تھا۔ زندگی بے مزا اور بے لطف، صرف ایک ڈھرے پر چلی جا رہی تھی۔ آج جو یہ موقع ملا تو بوڑھے بھی جوان بنگئے ادھ مرے بوڑھے، ٹھٹھریاں لئے منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، جانگھوں کے اوپر تک دھوتیاں یا تہمد چڑھائے خم ٹھونک ٹھونک کر اچھل پڑتے تھے گویا ان کی بوڑھی ہڈیوں میں جوانی سرایت کر گئی ہو۔ جھٹ پٹ پالی بن گئی۔ دو ہیرو بن گئے۔ ساتھیوں کا چناؤ ہونے لگا اور بارہ بجتے بجتے کھیل شروع ہو گیا جاڑوں کی ٹھنڈی دھوپ ایسے کھیلوں کے لئے بہت خوشگوار ہوتی ہے۔

ادھر احاطہ کے پھاٹک پر مرزا صاحب تماشائیوں کو ٹکٹ بانٹ رہے تھے ان پر اس طرح کا کوئی نہ کوئی خبط ہمیشہ سوار رہتا تھا۔ امیروں سے پیسہ لے کر غریبوں کو بانٹ دینا۔ اس بوڑھی کبڈی کا اشتہار کئی روز سے ہو رہا تھا بڑے بڑے پوسٹر چسپاں کئے گئے تھے۔ نوٹس تقسیم ہوئے تھے۔ یہ کھیل اپنے ڈھنگ کا نرالا ہوگا جیسا پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا۔ ہندوستان کے بوڑھے آج بھی کیسے جواں مرد ہوتے ہیں جنھیں یہ دیکھنا ہو وہ آئے اور اپنی آنکھوں دیکھ لے! جس نے یہ تماشا نہ دیکھا وہ پچھتائے گا۔ ایسا نادر موقع پھر نہ ملے گا۔ ٹکٹ دس روپئے

لے کر دو آنے تک کے تھے۔ تین بجتے بجتے پورا احاطہ بھر گیا۔ موٹروں اور فٹنوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ دو ہزار سے کم کا مجمع نہ تھا۔ رؤسا کے لئے کرسیاں اور بنچوں کا انتظام تھا اور عوام کے لئے صاف ستھری زمین۔

مس مالتی، مہتا، کھنا، ٹنڈا، اور رائے صاحب سب ہی موجود تھے۔

کھیل شروع ہوا تو مرزا نے مہتا سے کہا۔ "آیئے ڈاکٹر صاحب ایک پالی ہماری اور آپ کی بھی ہو جائے گی۔"

مس مالتی بولیں۔ "فلاسفر کا مقابلہ تو فلاسفر ہی سے ہو سکتا ہے۔"

مرزا نے مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا۔ "تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں فلاسفر نہیں ہوں؟ میرے پاس ڈگری کی دُم نہیں ہے مگر ہوں میں فلاسفر۔ آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں مہتا جی۔"

مالتی نے پوچھا۔ "اچھا بتایئے کہ آپ ایڈیلسٹ ہیں یا مٹریلسٹ (روحانیت کے قائل، یا مادیت کے)؟"

"میں دونوں ہوں۔"

"یہ کیونکر؟"

بہت اچھی طرح۔ جب جیسا موقع دیکھا ویسا بن گیا۔"

"تو آپ کا کوئی طے شدہ اصول نہیں ہے؟"

جس بات کا آج تک کبھی تصفیہ نہ ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ اس کے متعلق میں بھلا کیا طے کر سکتا ہوں؟ اور لوگ آنکھیں پھوڑ کر اور کتابیں چاٹ کر جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہاں میں یوں ہی پہنچ گیا۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ کسی فلاسفر نے عقلی گدّے لگانے کے سوا اور بھی کچھ کیا ہے۔"

ڈاکٹر مہتا نے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔ "تو چلئے ہماری اور آپ کی

ہو جائیے ۔ اور کوئی مانے یا نہ مانے میں آپ کو فلاسفر مانتا ہوں ۔"

مرزا نے کھنّا سے پوچھا " آپ کے لئے بھی کوئی جوڑ ٹھیک کریں ؟"

مالتی " ہاں ، ہاں ، انھیں ضرور لے جائیے ۔ مسٹر ٹنکا کے ساتھ ۔"

کھنّا جھینپتے ہوئے بولے ۔" جی نہیں ، مجھے معاف کیجئے ۔"

مرزا نے رائے صاحب سے پوچھا ۔" آپ کے لئے کوئی جوڑ لاؤں ؟"

رائے صاحب بولے ۔" میرا جوڑ تو اونکار ناتھ کا ہے ۔ مگر وہ آج نظر نہیں آتے ۔" مرزا اور مہتا بھی برہنہ بدن ، صرف جانگیا پہنے ہوئے میدان میں پہنچ گئے تھے ۔ ایک ادھر دوسرا اُدھر کھیل شروع ہو گیا ۔

عوام ان بوڑھی کلیلوں پر ہنستے تھے ، تالیاں بجاتے تھے ، گالیاں دیتے تھے للکارتے تھے اور بازیاں لگاتے تھے ۔ واہ ، ذرا ان بوڑھے باباکو دیکھو کس شان سے جارہے ہیں جیسے سب کو مار کر ہی لوٹیں گے ، اچھا ، دوسری طرف سے بھی ان کے بڑے بھائی نکلے ۔ دونوں کیسے پینترے بدل رہے ہیں ۔ ان ہڈیوں میں ابھی بڑا جیوٹ ہے بھائی ! ان لوگوں نے جتنا گھی کھایا ہے ، اتنا تو ہمیں اب پانی بھی میسر نہیں ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان دولت مند ہو رہا ہے ۔ ہوتا ہوگا ! ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ان بوڑھوں جیسے جیوٹ کے جوان بھی آج مشکل سے نکلیں گے ۔ وہ ادھر والے بوڑھے نے اسے دبوچ لیا ۔ بے چارہ چھوٹنے کے لئے کتنا زور مار رہا ہے مگر اب نہیں جاسکتے بچہ ۔ ایک کو تین لپٹ گئے ۔ اس طرح لوگ اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے ۔ ان کی ساری توجہ میدان پر تھی ۔ کھلاڑیوں کے دھکے مکے ، اچھل کود ، دھر پکڑ اور ان کے مرنے جینے میں سب ہی محو ہو رہے تھے ۔ کبھی چاروں طرف سے قہقہے اٹھتے کبھی کوئی بے انصافی یا دھوکے بازی دیکھ کر لوگ " چھوڑ دو ، کا شور برپا کرتے اور کچھ لوگ تو طیش میں آکر پالی کی طرف ہی دوڑ پڑتے ۔ لیکن جو تھوڑے سے

لوگ پنڈال میں اعلیٰ درجے کے ٹکٹ لے کر بیٹھے تھے انھیں اس کھیل میں کچھ زیادہ مزا نہ آرہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ اہمیت کی گفتگو میں مصروف تھے۔

کھنّا نے خنجر کا گلاس خالی کر کے سگار جلایا اور رائے صاحب سے بولے "میں نے آپ سے کہہ دیا کہ بنیک اس سے کم سود پر کسی طرح منظوری نہ دیگا۔ اور یہ رعایت بھی میں نے آپ کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ آپ سے گھر کا معاملہ ہے۔ رائے صاحب نے مونچھوں کے اندر مسکراتے ہوئے کہا: "تو پھر گھر ہی والوں کو الٹے چھرے سے حلال کرنا چاہیئے۔"

"یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟"

ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سورج پرتاب سنگھ سے آپ نے صرف سات فیصدی لیا ہے، مجھ سے نو فیصدی مانگ رہے ہیں اور اس پر احسان بھی رکھتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔"

کھنّا نے قہقہہ لگایا۔ گویا یہ بات ہنسنے ہی کے لائق تھی۔ ان شرطوں پر میں آپ سے بھی وہی سود لے لوں گا۔ ہم نے ان کی جائداد رہن رکھ لی ہے اور شاید وہ جائیداد پھر ان کے ہاتھ نہ جائے گی۔"

"میں بھی اپنی کوئی جائداد نکال دوں گا۔ نو فیصدی سے کہیں بہتر ہے کہ فالتو جائداد الگ کر دوں، میری جیکسن روڈ والی کوٹھی آپ نکلوا دیں، کمیشن لے لیجئے گا۔ اس کوٹھی کو آسانی سے نکلنا ذرا مشکل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ جگہ بستی سے کتنی دور ہے۔ گرخیر دیکھوں گا۔ آپ اس کی قیمت کا کیا اندازہ کرتے ہیں؟"

رائے صاحب نے ایک لاکھ پچیس ہزار بتائے۔ پندرہ بیگھے زمین تو ہے اس کے ساتھ۔ کھنّا متحیر ہو گئے۔ بولے "آپ آج کے پندرہ سال پہلے کا خواب دیکھ رہے ہیں، رائے صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ادھر جائدادوں کی قیمت میں پچاس فیصدی کی کمی ہو گئی ہے۔"

رائے صاحب نے برا مان کر کہا: "جی نہیں۔ پندرہ سال پہلے اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ تھی۔"

"میں خریدار کی تلاش میں رہوں گا۔ مگر میرا کمیشن پانچ فیصدی ہوگا آپ سے۔"

"اوروں سے شاید دس فیصدی ہو، کیوں؟ کیا کروگے اتنے روپئے لے کر؟"

"آپ جو چاہے دے دیجئے گا۔ اب تو راضی ہوئے۔ شکر کے حصے ابھی تک آپ نے نہ خریدے، اب بہت تھوڑے بچ رہے ہیں، ہاتھ ملتے رہ جایئے گا۔ بیمہ کی پالیسی بھی آپ نے نہ لی۔ آپ میں ٹال مٹول کی بڑی عادت ہے۔ جب اپنے نفع کی باتوں میں اتنا ٹال مٹول ہے تب دوسروں کو آپ لوگوں سے کیا نفع ہو سکتا ہے۔ اسی سے کہتے ہیں کہ ریاست سے آدمی کی عقل چر جاتی ہے۔ میرا بس چلے تو میں تعلقداروں کی ریاستیں ضبط کر لوں۔"

مسٹر ٹنخا۔ مالتی پر جال پھینک رہے تھے۔ مالتی نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ چناؤ کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتی مگر ٹنخا اتنی آسانی سے ہار ماننے والے آدمی نہ تھے۔ آکر کہنیوں کے بل میز پر ٹیک لگا کر بولے: "آپ ذرا اس معاملے پر پھر غور کریں میں کہتا ہوں کہ ایسا موقع شاید آپ کو پھر نہ ملے۔ رانی صاحبہ چندا کو آپ کے مقابلہ میں روپئے میں ایک آنہ چانس (موقع) بھی نہیں ہے۔ میری خواہش صرف یہ ہے کونسل میں صرف ایسے لوگ جائیں جنھوں نے زندگی میں کچھ تجربہ حاصل کیا ہو اور عوام کی کچھ خدمت بھی کی ہو۔ جس عورت نے عیش و عشرت کے سوا کچھ جانا ہی نہیں جس نے عوام کو ہمیشہ اپنے موٹر کا پٹرول سمجھا جس کی سب سے قیمتی خدمات وہ پارٹیاں ہیں جو گورنروں اور سکریٹریوں کو دی جاتی ہیں۔ اس کے لئے کونسل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ نئی کونسلوں میں بہت کچھ اختیار نمائندوں کے ہاتھ میں ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ اختیار نامستحقوں کے ہاتھ میں جائے۔"

مالتی نے گلا چھڑانے کے لئے کہا: "لیکن صاحب، میرے پاس دس بیس ہزار الکشن میں خرچ کرنے کے لئے کہاں ہے؟ رانی صاحبہ تو دو چار لاکھ خرچ کر سکتی ہیں۔ مجھے بھی سال میں ہزار پانچسو روپئے ان سے مل جاتے ہیں۔ یہ رقم بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

"پہلے آپ یہ بتا دیں کہ آپ جانا چاہتی یا نہیں؟"

"جانا تو چاہتی ہوں بشرطیکہ فری پاس مل جائے۔"

"تو یہ میرا ذمہ رہا۔ آپ کو فری پاس مل جائے گا۔"

"جی نہیں معاف کیجئے میں ہار کی ذلت نہیں اٹھانا چاہتی۔ جب رانی صاحبہ روپئے کی تھیلیاں کھول دیں گی اور ایک ایک ووٹ پر ایک ایک اشرفی چڑھنے لگے گی تو شاید آپ بھی ادھر ہی ووٹ دیں گے۔

آپ کے خیال میں چناؤ محض روپئے سے جیتا جا سکتا ہے۔

جی نہیں شخصیت بھی ایک چیز ہے۔ لیکن میں نے صرف ایک مرتبہ جیلخانے کے سوا اور عوام کی کیا خدمت کی ہے؟ اور سچ پوچھئے تو اس بار بھی میں اپنے مطلب سے گئی تھی، اسی طرح جیسے رائے صاحب اور کھنا گئے تھے۔ اس نئے تمدن کی بنیاد دولت ہے۔ علم اور خدمت، خاندان اور ذات، سب دولت کے سامنے ہیچ ہیں۔ کبھی کبھی تاریخ میں ایسے موقع آجاتے ہیں جب دولت کو تحریک کے مقابلے میں نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر اسے مستثنیات میں سمجھئے۔ میں اپنی ہی بات کہتی ہوں کوئی غریب عورت دواخانے میں آجاتی ہے تو اس سے بولتی تک نہیں۔ مگر عورت کوئی موٹر پر آگئی تو دروازے تک جا کر استقبال کرتی ہوں اور ایسی ناز برداری کرتی ہوں گویا وہ مجسم دیوی ہو میرا اور رانی صاحبہ کا کوئی مقابلہ نہیں جیسی کو نسلیں بن رہی ہیں ان کے لئے رانی صاحبہ ہی زیادہ موزوں ہیں۔

اُدھر میدان میں مہتا کی ٹیم کمزور پڑتی جاتی تھی۔ نصف سے زیادہ کھلاڑی مر چکے تھے۔ مہتا نے اپنی زندگی میں کبھی کبڈی نہ کھیلی تھی۔ مرزا اس فن میں استاد تھے۔ مرزا کی تعطیلیں ناٹک کی مشق میں گذرتی تھیں، بھیس بنانے میں وہ اچھے اچھوں کو متعجب کر دیتے تھے۔ مرزا کی ساری دلچسپی اکھاڑے میں تھی، پہلوانوں کے بھی اور پریوں کے بھی!"

مالتی کا دھیان اُدھر ہی لگا ہوا تھا۔ اٹھ کر رائے صاحب سے بولی: "مہتا کی پارٹی تو بُری طرح پٹ رہی ہے۔"

رائے صاحب اور کھنّا میں بیمے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ رائے صاحب اس سے اکتائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مالتی نے انھیں گویا گلو خلاصی دیدی اٹھ کر بولے: "جی ہاں، پٹ تو رہی ہے۔ مرزا پکا کھلاڑی ہے۔"

"مہتا کو یہ کیا سنک سوجھی۔ مفت اپنی بھد کرا رہا ہے۔"

"اس میں کاہے کی بھد۔ دل لگی ہی تو ہے۔"

"مہتا کی طرف سے جو باہر نکلتا ہے وہی مرجاتا ہے۔"

"ایک لمحہ بعد اس نے پوچھا: کیا اس کھیل میں ہاف ٹائم نہیں ہوتا۔"

کھنّا کو شرارت سوجھی بولے: "آپ چلے تھے مرزا سے مقابلہ کرنے، سمجھے تھے کہ یہ بھی فلسفہ ہے۔"

"میں پوچھتی ہوں اس کھیل میں ہاف ٹائم نہیں ہوتا؟"

کھنّا نے پھر چڑھایا: "اب کھیل ہی ختم ہوا جاتا ہے۔ مزہ آئے گا جب مرزا صاحب مہتا کو دبوچ کر رگڑیں گے اور مہتا صاحب چیں بولیں گے۔"

"میں تم سے نہیں پوچھتی، رائے صاحب سے پوچھتی ہوں۔"

رائے صاحب بولے: "اس کھیل میں کیسا ہاف ٹائم؟ ایک ہی ایک آدمی

تو سامنے آتا ہے۔"

"اچھا مہتا کا ایک آدمی اور مر گیا۔"

کھنّا بولے: "آپ دیکھتی رہیئے۔ اسی طرح سب مر جائیں گے۔ اور آخر میں مہتا صاحب بھی مریں گے۔"

مالتی جل گئی: "آپ کی تو ہمت نہ پڑی باہر نکلنے کی۔"

"میں دیہاتی کھیل نہیں کھیلتا۔ میرے لئے ٹینس ہے۔"

"ٹینس میں بھی میں تمھیں سینکڑوں گیم دے چکی ہوں۔"

"آپ سے جیتنے کا دعویٰ ہی کب ہے؟"

"اگر دعویٰ ہو تو میں تیار ہوں۔"

مالتی انھیں پھٹکار بتا کر پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔ کسی کو مہتا سے ہمدردی نہیں ہے۔ کوئی صاحب یہ نہیں کہتے کہ اب کھیل ختم کر دیا جائے۔ مہتا بھی عجیب احمق آدمی ہیں کچھ دھاندلی کیوں نہیں کر بیٹھتے؟ یہاں بھی اپنی انصاف پسندی دکھا رہے ہیں۔ ابھی ہار کر لوٹیں گے تو چاروں طرف سے تالیاں پڑیں گی۔ اب شاید میں آدمی اور ان کی طرف ہوں گے، اور لوگ کتنے خوش ہو رہے ہیں!۔

جوں جوں خاتمہ قریب آتا جاتا تھا، لوگ بیتاب ہوتے جاتے اور پالی کی طرف بڑھنے جاتے تھے۔ رسّی کا جو ایک کٹگھرا سا بنایا گیا تھا وہ توڑ دیا گیا۔ والنٹیر روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس شوق کے نشے میں ان کی ایک بھی نہ چلتی تھی حتیٰ کہ بڑھاؤ آخری حد تک آ پہنچا اور مہتا تنہا بچ گئے۔ اب انھیں گونگے کا پارٹ کھیلنا پڑے گا۔ اب سارا دار و مدار ان ہی پر ہے اگر وہ بچ کر اپنی پالی میں لوٹ آتے ہیں تو ان کی پارٹی کی خیر ہے۔ ورنہ شکست کی ساری ذلت و ندامت لئے ہوئے انھیں لوٹنا پڑتا ہے۔ وہ دوسری طرف کے جتنے آدمیوں کو چھو کر اپنی پالی میں

آئیں گے وہ سب مرجائیں گے اور اتنے ہی آدمی ان کی طرف جی اٹھیں گے۔
سب کی آنکھیں مہتا پر لگی ہوئی تھیں وہ مہتا چلے! لوگوں نے چاروں طرف سے آکر پالی کو گھیر لیا۔ انتہائی محویت تھی۔ مہتا کتنے اطمینان سے دشمنوں کی طرف جارہے ہیں ان کی ہر حرکت لوگوں پر منعکس ہوتی جاتی ہے۔ کسی کی گردن ٹیڑھی ہوئی جاتی ہے۔ تو کوئی آگے جھکا پڑتا ہے۔ فضا گرم ہوگئی ہے۔ پارہ حرارت کے انتہائی نقطے تک پہنچ گیا ہے۔ مہتا مخالف جماعت میں داخل ہوئے وہ جماعت پیچھے ہٹتی جاتی ہے ان کا سنگٹھن اتنا مضبوط ہے کہ مہتا کی پکڑ میں کوئی نہیں آرہا ہے۔ بہتوں کو جو اُمید تھی کہ مہتا کم سے کم اپنی پارٹی کے دس پانچ آدمیوں کو جلا ہی دیں گے وہ مایوس ہوتے جارہے ہیں۔"

دفعتاً مرزا ایک چھلانگ مارتے ہیں اور مہتا کی کمر پکڑ لیتے ہیں۔ مہتا اپنے چھڑانے کے لئے زور لگا رہے ہیں۔ مرزا کو پالی کی طرف کھینچے لئے آرہے ہیں۔ لوگ پاگل ہوجاتے ہیں۔ اب اس کا پتہ چلنا مشکل ہے کہ کون کھلاڑی ہے اور کون تماشائی سب ایک میں مل جل گئے ہیں، مرزا اور مہتا میں کشتی ہورہی ہے۔ مرزا کے کئی بڈھے مہتا کی طرف لپکے اور ان سے لپٹ گئے۔ مہتا زمین پر چپ چاپ پڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی طرح کھینچ کر دو ہاتھ اور بچائیں تو ان کے پچاسوں آدمی جی اُٹھتے ہیں مگر وہ ایک انچ بھی نہیں کھسک سکتے۔ مرزا ان کی گردن پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مرزا کا چہرہ سُرخ ہورہا ہے، آنکھیں بیر بہوٹی بنی ہوئی ہیں پسینہ ٹپک رہا ہے۔ اور مرزا اپنے موٹے جسم کا بوجھ لئے ہوئے ان کی پیٹھ پر اچک رہے ہیں۔ مالتی نے قریب جاکر جوش میں کہا: "مرزا خورشید یہ فیئر نہیں ہے، بازی ڈران رہی۔

خورشید نے مہتا کی گردن پر ایک رگڑا لگا کر کہا: "جب تک یہ چیں نہ بولیں گے میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ کیوں نہیں چیں بولتے؟"

مالتی اور آگے بڑھی: "چیں بلانے کے لئے آپ اتنا جبر نہیں کر سکتے۔"

مرزا نے مہتا کی پیٹھ پر اچھل کر کہا: "بیشک کر سکتا ہوں۔ آپ ان سے کہدیں کہ چیں بولیں، میں ابھی اٹھا جاتا ہوں۔"

مہتا نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر مرزا نے ان کی گردن دبادی۔ مالتی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "یہ کھیل نہیں دشمنی ہے۔"

"دشمنی ہی سہی۔"

"آپ نہ چھوڑیں گے؟"

اُسی وقت جیسے کوئی زلزلہ آگیا۔ مرزا صاحب زمین پر پڑے ہوئے تھے اور مہتا دوڑے ہوئے پالی کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور ہزاروں آدمی پاگلوں کی طرح ٹوپیاں، پگڑیاں اور چھڑیاں اچھال رہے تھے۔ کیسے یہ کایا پلٹ ہوئی، کوئی نہ سمجھ سکا۔

مرزا نے مہتا کو گود میں اٹھالیا اور لئے ہوئے شامیانے تک آئے۔ ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ تھے: "ڈاکٹر صاحب نے بازی مار لی۔" اور ہر شخص اس ہاری ہوئی بازی کے ایکبارگی پلٹ جانے پر متعجب تھا۔ سب ہی مہتا کے جیوٹ اور دم اور استقلال کی تعریف کر رہے تھے۔

مزدوروں کے لئے پہلے ہی سے نارنگیاں منگالی گئی تھیں انھیں ایک ایک نارنگی دے کر رخصت کیا گیا۔ شامیانے میں مہمانوں کے چائے پانی کا انتظام تھا۔ مہتا اور مرزا ایک ہی میز پر آمنے سامنے بیٹھے مالتی مہتا کے پاس بیٹھی۔

مہتا نے کہا: "مجھے آج ایک نیا تجربہ ہوا۔ عورت کی ہمدردی ہار کو جیت بنا سکتی ہے۔"

مرزا نے مالتی کی طرف دیکھا: "اچھا یہ بات تھی! جب ہی تو مجھے حیرت ہو رہی تھی۔

کہ آپ یکایک اوپر کیسے آگئے۔"

مالتی شرم سے سُرخ ہوئی جاتی تھی، بولی: "آپ بڑے بے مروّت آدمی ہیں مرزاجی، مجھے آج معلوم ہوا۔"

"قصور ان کا تھا۔ یہ کیوں چیں نہیں بولتے تھے۔"

"میں تو چیں نہ بولتا چاہے آپ میری جان ہی لے لیتے۔"

کچھ دیر دوستوں میں غپ شپ ہوتی رہی۔ پھر شکریہ اور مبارک باد کی تقریریں ہوئیں اور مہمان رخصت ہوئے۔ مالتی کو بھی ایک مریض کے یہاں جانا تھا پس وہ بھی چلی گئی۔ صرف مرزا اور مہتا رہ گئے۔ انھیں ابھی نہانا تھا۔ مٹی میں لت پت ہو رہے تھے۔ کپڑے کیسے پہنتے؟ گوربانی بھنج لایا اور دونوں نہانے لگے۔

مرزا نے پوچھا: "شادی کب تک ہوگی؟"

مہتا نے حیرت سے پوچھا: "کس کی؟"

"آپ کی۔"

"میری شادی کس کے ساتھ؟"

"واہ آپ تو ایسا اڑ رہے ہیں گویا یہ بھی کوئی چھپانے کی بات ہے۔"

"نہیں نہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے بالکل خبر نہیں ہے۔ کیا میری شادی ہونے جا رہی ہے۔"

"اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مس مالتی آپ کی رفیق بن کر رہیں گی۔"

مہتا متانت سے بولے: "آپ کا قیاس بالکل غلط ہے۔ مرزاجی! مس مالتی خوبصورت ہیں، خوش مزاج ہیں۔ سمجھدار ہیں، روشن خیال ہیں۔ اور بھی ان میں کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ مگر میں اپنی زندگی کی رفیقہ میں جو بات دیکھنا چاہتا ہوں وہ